R. No. 2186/57

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

جلد ۲۴- شمارہ ۶	ایڈیٹر- آل احمد سرور	۸ر فروری ۱۹۶۴ء

اداریہ

کچھ اور رسم خط کے بارے میں

ہمیں اس کا احساس ہے کہ ساری ہندوستانی زبانوں کے لئے ایک رسم خط کی بات نیک نیتی سے کی جاتی ہے مگر افسوس یہ ہے کہ کہنے والوں کو اس راہ کی دشواریوں کا احساس نہیں، نہ اس بات کا احساس ہے کہ ہر زبان کے کلاسیکی سرمائے کو کس طرح نئے رسم خط میں منتقل کیا جائے گا، نہ وہ موجودہ رسم خط برتنے والوں کی زحمت پر دھیان دیتے ہیں۔ پھر یہ بھی بات نظرانداز نہیں کی جاسکتی کہ ایک رسم خط کے سلسلے میں بھی اتفاق نہیں ہے۔ کوئی دیوناگری پر زور دیتا ہے، کوئی رومن رسم خط کی خوبیاں گنواتا ہے۔ ہمارے نزدیک بغیر راہ کی دشواریوں کو ذہن میں رکھے، ایک رسم خط کی بات چاہے کتنی ہی نیک نیتی سے کی جائے، دراصل بیکار ہوتی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ تجویز پیش کرنا ہے کہ فی الحال ہر زبان کے لئے اس کا رسم خط رہنے دیا جائے۔ ہاں یہ کوشش جاری رہ سکتی ہے کہ اس زبان کی معیاری اور مقبول کتابیں، رومن اور دیوناگری رسم خط میں بھی شایع ہوتی رہیں۔ گویا یہ رسم خط (Associate Script) کہلائیں اس سے دو فائدے ہوں گے، ایک تو ایک رسم خط کی طرف میلان بڑھے گا، دوسرے ہر زبان کا اپنا رسم خط نہ صرف باقی رہے گا بلکہ اس کی اصلاح اور بہتری کی کوشش بھی جاری رہے گی۔ اب یہ کہنے سے کام نہیں چلتا کہ ہر زبان کسی رسم خط میں لکھی جاسکتی ہے۔ بے شک بچے کو یا کسی دوسری زبان کے جاننے والے کو کسی بھی رسم خط میں کوئی بھی زبان سکھائی جاسکتی ہے۔ مگر صرف زبان سکھانا تو مقصد نہیں۔ اس کے ادب سے آشنا کرانا بھی تو ضروری ہے اور کوئی حکومت چاہے بھی تو نئے رسم خط میں اس ادب کی تمام اہم اور ضروری کتابیں اور تمام شاہکار فوراً منتقل نہیں کرسکتی۔ اس کے لیے بہت وقت اور روپیہ چاہیے۔ اس لئے ہم ایک رسم خط کی بات کو نیک نیتی پر محمول نہ کرتے ہوئے

اُسے موجودہ حالات میں ناقابل عمل سمجھتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ ہر ہندوستانی زبان کو اُس کے اپنے رسم خط میں پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے۔ ہاں رسم خط میں موجودہ ضروریات کے لحاظ سے برابر اصلاح ہوتی ہے اور جو لوگ وہ زبان رومن یا دیوناگری رسم خط میں سیکھنا چاہتے ہیں اُن کے لئے سہولتیں فراہم کی جائیں مگر اس زبان کے اپنے رسم خط کو چھوڑ دینے کے ہم کسی طرح حامی نہیں ہیں۔ یہ محض جذبات کی بات نہیں، گو جذبات کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ یہ زبان کی پوری تاریخ، اُس کے سارے سرمائے اور اس زبان کے بولنے والوں کی نفسیات اور اُن کی سہولتوں کا سوال ہے جسے کسی حال میں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے دستور بنانے والوں نے زبان کے ساتھ رسم خط کے تحفظ کا بھی لحاظ رکھا ہے۔ ہر رسم خط میں کچھ خوبیاں ہوتی ہیں کچھ خامیاں۔ کوئی رسم خط مکمل نہیں ہے اور IPA کا رسم خط بھی صوتی اعتبار سے مکمل ہوتے ہوئے عملاً خاصی دشواریاں پیدا کرتا ہے۔

اس اشاعت میں

سیر بین

اگر ہم سے پوچھا جائے کہ موجودہ دور میں اُردو ادب کے لئے تین سب سے بڑے خطرے کون سے ہیں تو ہم بے تکلف مشاعروں، پیاموں اور ایڈیٹروں کے نام خطوط، گنا دیں گے۔ مشاعروں میں گلے بازی یا ہزل کا دور دورہ ہے، پیاموں میں لفاظی کا اور ایڈیٹروں کے نام خطوط میں فقرے بازی کا۔ بہت سے مشاعرے دیکھے، اچھے اچھے شاعران گلے بازوں اور ہزل گویوں کے ڈر کے مارے "ہوٹا مال" پیش کرتے ہیں۔ جہاں بھی کوئی کانفرنس ہو، یا کوئی یوم منایا جائے کچھ پیام ضرور پڑھے جاتے ہیں جن میں پیام دینے والا کچھ پند و نصیحت کے بعد اپنی نیک تمنائیں یا شعر کا مضامین پیش کرتا ہے اور یہ بھی ظاہر کر دیتا ہے کہ اگر وہ بڑا آدمی نہ ہوتا یا قبر میں پیر لٹکائے نہ بیٹھا ہوتا تو سر کے بل کانفرنس میں شریک ہوتا۔ اور جس رسالے کو دیکھئے اس میں ایڈیٹر کی ڈاک یا بزم احباب کے عنوان سے کچھ مضامین پر فقرے بازی، کچھ نظموں یا غزلوں پر تبرا اور آخر میں ایڈیٹر کو شاباش ہوتی ہے کہ اس نے رسالہ بڑا اچھا نکالا ہے۔

آج کل خوب خوب فیشن چلے ہیں۔ نوجوانوں کے پتلون کی مُہری اب سمٹ کر چوڑی دار پاجامے کے قریب آگئی ہے، داڑھی چہرے سے تو غائب ہے، مگر ٹوپی ایسی داڑھی دار ہے کہ نہ پوچھئے۔ اگر کوئی ننگے سر ہے تو یا تو دلیپ کمار کی طرح بالوں کی لٹ ماتھے پہ لہراتی ہے یا امریکن انداز میں بال بہت باریک کٹے ہوتے ہیں۔ کچھ نوجوانوں میں داڑھی کی طرف میلان بڑھ رہا ہے۔ اگر مسلمان نوجوانوں میں یہ بات ہوتی تو ہم اسے مذہبیت سمجھتے، مگر ہندو نوجوانوں میں بھی داڑھی کی مقبولیت سے خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ سب اس وجہ سے تو نہیں کہ اب مغربی ملکوں سے بلیڈ نہیں آتے اور ہندوستانی بلیڈ ابھی ایسے "صفاچٹ" نہیں ہو پائے ہیں۔

برسوں سے یہ بحث چل رہی تھی کہ سگریٹ پینے سے سرطان (کینسر) کا خطرہ بڑھتا ہے یا نہیں۔ حال میں امریکہ کے ڈاکٹروں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ واقعی ایسا ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ سگریٹ کے مقابلے میں سگار اور پائپ میں خطرہ کم ہے۔ ہندوستان کے ڈاکٹروں نے پان میں تمبا کو کھانے والوں کو بھی خبردار کر دیا ہے کہ اس سے بھی ہوشیار رہو۔ ہماری رائے میں اب پان سگریٹ کو چھوڑ کر صرف حقہ رائج کرنا چاہیے اس سے دو فائدے ہوں گے۔ اوّل تو ہم کینسر سے بچ جائیں گے دوسرے جب محقق بڑھ جائیں گے تو تحقیق کو فروغ ہوگا اور اس طرح زبان کو بخت نقادوں سے نجات مل جائے گی جو خواہ مخواہ جمعیت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔

روس میں ہندی لازمی

(انڈین ایکسپریس کے حوالے سے) مشرقی برلن کے روسی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اگلے تعلیمی سال سے روسی اسکولوں میں ہندی پہلی لازمی زبان قرار دے دی جائے گی۔

روسی حکومت نے روسی بچوں کے لئے لاکھوں ہندی کتابوں کی طباعت میں مدد دینے کے لئے حکومت ہند سے پہلے ہی بات چیت کر لی ہے۔ بہت سے اسکولوں میں ہندی پہلے ہی سے پڑھائی جا رہی ہے۔

گیا میں یوم آزاد

ادارہ مورچہ گیا نے ۲۳ر جنوری ۶۴ء کے اپنے ایک جلسے میں "یوم آزاد" منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ "یوم آزاد" بڑے پیمانے پر منایا جائے گا جو مولانا آزاد کی عالمگیر شخصیت کے شایان شان ہوگا۔ یہ فروری کے آخری ہفتے میں منعقد ہوگا۔ توقع ہے کہ اس جلسے کی صدارت پروفیسر ہمایوں کبیر اور افتتاح مرکزی وزیر تعلیم جناب محمد علی کریم چھاگلا فرمائیں گے۔ پروفیسر ہمایوں کبیر اور مسٹر چھاگلا سے اس کے لئے درخواست کی گئی ہے۔ مجلس استقبالیہ میں پیٹرن کیلئے ریاست بہار کے وزیر تعلیم شری ستیندر نرائن سنہا اور چیئرمین کے لئے مگدھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شری کے، کے، دتا کے نام تجویز کئے گئے ہیں۔ مجلس استقبالیہ کے ارکین اور دیگر ممبران منتخب کر لئے گئے ہیں جن کی مکمل فہرست بعد میں شایع کر دی جائے گی۔ ملک کے مشہور رہنما، بہار، ریاستی وزراء اور ممتاز اہل قلم اور شاعروں کو خصوصی مہمان کی حیثیت سے مدعو کیا جائیگا۔ مکمل پروگرام کا اعلان تاریخ انعقاد سے ایک ہفتہ قبل کر دیا جائے گا۔ (معین شاہد مدیر معاون مورچہ، بیراگی گیا)

رام پور میں یوم راز

اعلان کے مطابق ۱۲ر جنوری کو انجمن ترقی اُردو رام پور کی جانب سے صولت پبلک لائبریری کے وسیع ہال میں بسلسلۂ یوم راز یزدانی ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں شہر کے کئی معززین حضرات نے بھی شرکت کی اور مرحوم کی زندگی کے ہر گوشے پر بڑی کار آمد روشنی ڈالی۔

کئی مضامین و مقالات اور مرحوم سے متعلق نظمیں بھی پیش کی گئیں، جنھیں کافی پسند کیا گیا۔

اس عظیم جلسے کی صدارت جناب اسلم خاں ایم، ایل، اے نے کی۔ (قیس رام پوری)

سلطان اشرف گذشتہ سے پیوستہ

اُردو کے کچھ قدیم اخبار و رسائل

اصلاح سخن لاہور

فروغ ادب لائبریری رام پور میں اُردو زبان کے کچھ قدیم رسائل کا ذخیرہ موجود ہے جس کا تعارف میں گاہے گاہے رسائل میں کراتا رہتا ہوں۔ ہماری زبان میں بھی میں اس سے پہلے "دکن ریویو" کے سلسلے میں ایک مضمون لکھ چکا ہوں۔ اب اس مضمون کے ذریعے کچھ اور رسائل کا تعارف پیش کر رہا ہوں۔ اصل تعارف اصلاح سخن لاہور کا کرانا مقصود ہے، ضمناً کچھ دیگر اخبارات و رسائل کا ذکر بھی آگیا ہے ان کا ذکر اس لئے کر دیا ہے تاکہ جن صاحبان کو ان اخبارات یا رسائل کا تفصیلی علم ہو وہ ان پر تعارفی مضامین لکھ کر اس سلسلے کو مکمل کر دیں۔

اردو زبان کے قدیم رسائل کی طرح اصلاح سخن میں بھی مصرع طرح دیا جاتا تھا اور اس پر ہر ماہ ملک کے مختلف حصوں کے چھوٹے بڑے شاعر حصہ لیا کرتے تھے۔ فروغ ادب لائبریری میں اصلاح سخن کے صرف سات شمارے محفوظ ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:۔

جون، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۰۰ء۔ فروری، مارچ ۱۹۰۱ء

جولائی، دسمبر ۱۹۰۰ء اور جنوری ۱۹۰۱ء کے شمارے اس فائل میں موجود نہیں ہیں، تاہم ان شماروں کے مطالعہ سے ان کے مندرجات کا کسی حد تک علم ہو جاتا ہے۔

جون ۱۹۰۰ء کا شمارہ اس رسالہ کا پہلا شمارہ ہے، جس میں مصرع طرح "یہ زمیں آسمان ہے گویا" دیا گیا ہے۔ جون کے شمارے میں ہی دو مصرع طرح اور بھی ہیں جو یہ ہیں۔ ع

(۱) رنگ گل سے بلبل کے پر اندھتے ہیں۔

(۲) حسرت دنیائے فانی اور ہے۔

اگست کے شمارے میں "حسرت دنیائے فانی اور ہے" کی زمین میں غزلیں شامل ہوئی ہیں، اس لیے "رنگ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں" والی زمین میں غزلیں جولائی کے شمارے میں شامل ہوئی ہوں گی۔ اگست کے شمارے کو دیکھنے سے یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ ستمبر اور اکتوبر کے لئے مصرع طرح یہ تجویز کئے گئے تھے۔ ع

ماہ ستمبر کے لئے: "ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا"
اکتوبر کے لئے: "جسم ہے ملک جان ہیں دونوں"

ستمبر کے شمارے میں ایڈیٹر اصلاح سخن کی جانب سے اعلان کیا گیا ہے کہ نومبر کے لئے مصرع طرح یہ دیا جاتا ہے۔ ع

دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

اکتوبر کے شمارے میں جیسا کہ اگست کے شمارے میں اعلان کر دیا تھا کہ اکتوبر میں اس مصرع طرح پر غزلیں شامل ہوں گی: ع

"جسم ہے ملک جان ہیں دونوں"

تو اس شمارے میں اس زمین کی بھی غزلیں شامل ہیں اور اگست والی زمین "حسرت دنیائے فانی اور ہے" کی زمین کی بھی کچھ غزلیں شامل ہیں۔ کیونکہ وہ اگست کے شمارے میں شامل ہونے سے رہ گئی تھیں۔ اکتوبر کے شمارے میں ہی دسمبر ۱۹۰۰ء اور جنوری ۱۹۰۱ء کے لئے مصرع طرح دے دئے گئے ہیں۔

دسمبر کے لئے: "عیب نکلا جو ہنر پیدا کیا"

جنوری کے لئے: "یارب یہ سال امن و مسرت کا سال ہو"

دسمبر اور جنوری ۱۹۰۱ء کے شمارے لائبریری کے فائل میں نہیں ہیں۔ لیکن فروری کا شمارہ لائبریری کے فائل میں موجود ہے اس میں اس زمین میں غزلیں شامل ہیں "یہاں کے جتنے باشندے ہیں سب ہندوستانی ہیں" فروری کے شمارے میں مارچ، اپریل، مئی کے لئے تین مصرع طرح دئے گئے ہیں۔

مارچ: "توکل پر نہیں تکیہ تو اطمینان پیدا کر"
اپریل: "جو شناور ہیں وہی پار اُتر جاتے ہیں"
مئی: "بے خود ہوئے ہیں جلوۂ دیدار دیکھ کر"

ان مصرعوں کے ساتھ ہی ایک اعلان بھی لگا ہوا ہے۔ غزلیں ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ تک بھیج دینی چاہئیں ورنہ عدم اندراج کی شکایت معاف۔

مارچ کے شمارے میں کوئی ایسا اعلان نہیں ملتا جس سے پتہ چل سکے کہ جون کے لئے کیا مصرع طرح تجویز کیا گیا تھا۔ مارچ ۱۹۰۱ء تک کے ہی شمارے فروغ ادب لائبریری میں موجود ہیں۔ ان سات شماروں کے مصرع ہائے طرح پر ملک کے جن مشہور و معروف شاعروں نے حصہ لیا ان میں سے چند کے اسمائے گرامی حاضر ہیں۔

ممتاز علی صاحب آہ لکھنوی، علامہ اقبال، احسن مارہروی، بیخود دہلوی، نوح ناروی، صفدر مرزا پوری، حفیظ جونپوری، شمشاد لکھنوی، صبر رام پوری، اوج رامپوری، شہید مچھلی شہری، راسخ دہلوی، جلیل مانکپوری، بہادر شاہ ظفر دہلوی، وجاہت جھنجھانوی، ظہیر دہلوی، سائل دہلوی، منشی محمد الدین فوق، رفیق بلند شہری، مظہر تھانوی، فیاض فاروقی وغیرہ۔

علامہ اقبال کا کلام صرف دو ماہ کے اصلاح سخن میں ملتا ہے۔ ایک تو اصلاح سخن کے پہلے شمارہ جون ۱۹۰۰ء میں جس میں علامہ اقبال کا صرف یہ شعر ہے۔

فتنے اُٹھتے ہیں تیرے کوچے سے
یہ زمیں آسمان ہے گویا

ساتھ میں ایڈیٹر کی طرف سے نوٹ بھی لگا ہوا ہے جو یہ ہے:۔

"شیخ صاحب نے ایک مختصر سی غزل اس طرح پر ہمیں لاہور میں سُنائی تھی ایک شعر یاد رہ گیا وہی لکھ دیا گیا۔"

ایڈیٹر اصلاح سخن کا یہ نوٹ دیکھ کر دل میں کچھ شبہات گزرے ہیں مثلاً یہی کہ ڈاکٹر اقبال سے ایڈیٹر اصلاح سخن نے یہ غزل کب سُنی تھی ایک ماہ پہلے یا دو ماہ پہلے، یا پھر ایک دو سال پہلے سُنی تھی۔ اس خیال کو تقویت اس سے بھی پہنچتی ہے کہ سر عبدالقادر مرحوم نے بھی یہی لکھا ہے کہ علامہ اقبال بسلسلۂ تعلیم سنہ ۱۹۰۵ء میں یورپ چلے گئے تھے اور سنہ ۱۹۰۸ء میں واپس ہوئے تھے اس لئے اقبال کی یہ غزل کئی سال پہلے ہی کی ہوئی۔ لیکن ایک شبہ اب بھی باقی رہتا ہے اور وہ یہ کہ ایڈیٹر اصلاح سخن نے شعر مذکورۂ بالا کو نقل کرتے ہوئے غزل کی ابتدا میں لکھا ہے۔ شیخ محمد اقبال پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور۔

شعر جون سنہ ۱۹۰۵ء کے اصلاح سخن میں شامل ہے، میری معلومات جہاں تک ہیں وہ یہ ہیں کہ ڈاکٹر اقبال جب یورپ سے واپس ہوئے تھے تب انھوں نے گورنمنٹ کالج میں پروفیسری کی تھی۔

علامہ کی دوسری غزل "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" جو ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء کے شمارے کے مصرع طرح "ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا" کی زمین میں کہی گئی ہے۔

اس طرح میں کافی غزلیں شامل ہوئی ہیں۔ لیکن ایک چیز کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اقبال کے ایک شعر کے ایک مصرع میں ظہیر دہلوی کا توارد ہو گیا ہے۔ اقبال کا شعر ہے:

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

ظہیر دہلوی اس طرح کہتے ہیں:-

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا
ہے شہرۂ فصاحت تا اصفہاں ہمارا

اسی زمین میں کچھ دیگر شاعروں کے شعروں سے بھی لطف اندوز ہوتے چلئے:-

ممتاز علی آہ امیٹھوی۔

کہہ دیتی ہیں یہ آنکھیں رازِ نہاں ہمارا
یہ دل کی ترجماں ہیں دل رازداں ہمارا

احسن مارہروی۔

ہندوستانیوں میں گر میل جول ہوتا
برباد پھر نہ ہوتا یوں خانماں ہمارا

ادیب رام پوری۔

زاہد نے پی ہے کس دن کیا قدر مے کی جانے
پیتے ازل سے حضرت پیر مغاں ہمارا

محمد وزیر خاں رنگ حیدرآبادی۔

کہنے کو یوں تو کہہ دیں ہے سب جہاں ہمارا
مانے بھی کوئی ہے دل آخر بیاں ہمارا

پیارے لعل رونق دہلوی۔

بھولے پھلے چمن میں کیا خاک اُڑ رہی ہے
جنت نشاں کبھی تھا ہندوستاں ہمارا

سردار اودھم سنگھ سردار امرت سری۔

لے دے کے دو ہی قومیں وہ بھی نفاق کیشیں
دنیا میں پھر ٹھکانا ہوگا کہاں ہمارا

شمشاد لکھنوی۔

آتے ہیں ہم سے ملنے لاکھوں ہی شیخ و زاہد
جب سے ہوا ہے مسکن کوئے بتاں ہمارا

صابر رام پوری۔

گھبراتی ہے طبیعت کس سے کہیں حقیقت
کوئی نہیں یہاں پر ہے رازداں ہمارا

ضیا گورگانی دہلوی۔

بلبل کی کیا حقیقت کیا اس کی نوحہ خوانی
وہ کیا اُڑا سکے گی رنگ فغاں ہمارا

ظہیر دہلوی۔

مسجد سے بھیجتے ہیں ہم خرقۂ ریائی
پیر مغاں کو پہنچے یہ ارمغاں ہمارا

محمد الدین فوق کشمیری۔

سو سال سے ہے ہم پر یوں تو تری حکومت
لیکن نہیں ہے اب تک تو رازداں ہمارا
تعلیم گاہیں ایسی جن میں ذلیل مذہب
ہر ایک خوار و رسوا پیر و جواں ہمارا
افلاس و قحط و نکبت ممکن نہیں کہ جائیں
یورپ کو ہو رہا ہے غلّہ رواں ہمارا

مظہر تھانوی۔

خاطر سے مے کشوں کی اک باب توبہ وا ہے
مقبول کس قدر ہے پیر مغاں ہمارا

نوح ناروی۔

شاخ مراد اپنی کملا کے رہ گئی ہے
گلزار ہو گیا ہے نذرِ خزاں ہمارا
آتا ہے ہم کو رونا خود اپنی بے کسی پر
ہم نوحہ خواں ہیں دل کے دل نوحہ خواں ہمارا

اس "طرح" کے علاوہ اصلاح سخن کی دیگر طرحوں میں جو غزلیں شامل ہیں ان کے بھی کچھ منتخب شعر پیش کر رہا ہوں تاکہ گلہائے رنگا رنگ کے نظارے سے لطف اندوز ہو سکیں۔

(باقی صفحہ ۸ پر)

آزاد گلاٹی

پرچھائیاں

شب کے سایوں میں دلِ اندوہ گیں
اپنے سینے میں لیئے نوکِ جُدائی کے شگاف
مضمحل و مضطرب،
وقت کی دھڑکن سے ہم آہنگ ہو کر
گن رہا ہے عہدِ رفتہ کے فسوں آور سے لمحاتِ عزیز!
وقت اک لنگڑے شرابی کی طرح
رینگتا ہے جادۂ احساس پر
جب کبھی دستِ صبا کا شوخ و چنچل
اور کیف آگیں خمار
چھیڑتا ہے سوئے پتوں میں کوئی
نغمۂ حزن و ملال
مجھ کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم
میرے دروازے کے پاس
سُن رہی ہو آکے میرے دل کی ہر دھڑکن کا راز!
زندگی خود راز بن جاتی ہے تب
اور پھر چاروں طرف
مجھ کو تیرے حُسن کی پرچھائیاں
گھیر لیتی ہیں بگولوں کی طرح!

غزلیں

پروفیسر محمد رضاء الرحمٰن خاں مشتاق

سوزِ غم چیز ہے کیا کچھ ہمیں معلوم تو ہو — پر مرض ہے کہ دوا کچھ ہمیں معلوم تو ہو
روز و شب ہوتی رہے تازہ قیامت برپا — زندگانی کا مزا کچھ ہمیں معلوم تو ہو
ہم بھی پروازِ مزاجی کا دکھائیں عالم — قیمتِ قدر و وفا کچھ ہمیں معلوم تو ہو
آپکے لطف سے محروم جو ہم رہتے ہیں — کس خطا کی ہے سزا کچھ ہمیں معلوم تو ہو
دل کی دھڑکن نہ سہی اپنی آہٹ ہی سہی — سازِ ہستی کی صدا کچھ ہمیں معلوم تو ہو
پھر لگائیں گے کبھی چاند ستاروں کا سُراغ — پہلے خود اپنا پتا کچھ ہمیں معلوم تو ہو
جان و دل ہم بھی کریں نذرِ محبت مشتاقؔ — اتنی محنت کا صلا کچھ ہمیں معلوم تو ہو

ریورنڈ ہیفرس ریحانی

ہمیں گو خرد پر بہت ناز ہے — جو کل راز تھا آج بھی راز ہے
نہ جانے وہ ٹھہرے گا جا کر کہاں — ابھی تو بشر محوِ پرواز ہے
ہے کتنا عجب ارتقا کا سفر — نہ انجام ہے اور نہ آغاز ہے
نہیں ہم کو دیر و حرم سے غرض — نظر میں وہ جلوہ گہِ ناز ہے
سمجھتی ہے دُنیا ترانہ جسے — شکستہ دلوں کی وہ آواز ہے
نہیں ہے جو ریحانیؔ اس گُل کی بُو — ہوائے چمن مجھ کو ناساز ہے

انعامی مقابلہ برائے "یومِ آزاد"

انجمن ترقی اُردو رانچی کی جانب سے ۲۲ر فروری ۱۹۶۴ء کو رانچی شہر میں ایک انعامی مقابلہ بسلسلۂ "یومِ آزاد" ہو رہا ہے جس میں اوّل آنے والا مقالہ نگار کو "گولڈ میڈل" دیا جائے گا جس کا عنوان و شرائط درج ذیل ہیں۔

عنوان:- "اقبالؒ کا مردِ مومن، اور آزادؒ"

شرائط:-

(۱) مقالہ فل سکیپ کاغذ پر پندرہ صفحات سے زائد نہیں ہونا چاہیئے۔ نیز کاغذ کے ایک ہی جانب صاف اور خوشخط روشنائی سے لکھا ہونا لازمی ہوگا۔

(۲) مقالہ کا غیر مطبوعہ ہونا ضروری ہے۔

(۳) مقالہ نگار حضرات اپنا مکمل نام و پتہ الگ کاغذ پہ مقالے کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

(۴) مقالہ واپس نہیں کیا جائے گا اور اسکی اشاعت کا پورا پورا حق انجمن ترقی اُردو رانچی کو ہوگا۔

(۵) جج صاحبان کا فیصلہ آخری اور قطعی قرار دیا جائے گا۔

(۶) انجمن ترقی اُردو رانچی کے عہدے داران اس مقابلے میں حصّہ نہ لے سکیں گے۔

(نوٹ) مقابلے میں ہندیونین کے تمام بسنے والے لوگ حصّہ لے سکتے ہیں۔

(۷) مقالہ مندرجہ ذیل پتہ پر ۱۳ر فروری ۶۴ء تک بذریعہ رجسٹری پہنچ جانا ضروری ہے۔

نعیم مجاز۔ سکریٹری انجمن ترقی اُردو رانچی
کونکا روڈ۔ کلال ٹولی۔ رانچی (بہار)

برطانوی میلے میں ہندوستانی کتابیں

(بحوالہ سیاست جدید) جون کے مہینے میں یہاں کتابوں کا ایک عالمی میلہ لگے گا، جس میں ہندوستانی کتابیں بھی نمائش کے لئے رکھی جائیں گی۔ یہ میلہ دس دن تک رہے گا۔ اس میں ایک اسٹال ایشیا پبلشنگ ہاؤس نے لیا ہے۔ کینیڈا، فرانس، چیکوسلاویکیہ، سویڈن، مشرقی جرمنی آئرلینڈ، ہنگری اور پولینڈ سے بھی کئی ادارے اور کتابوں کے ناشر اس میں حصہ لیں گے۔ روس امریکہ، ہالینڈ اور آسٹریلیا وغیرہ سے بات چیت چل رہی ہے۔ برطانیہ کی ایک سو تیس فرمیں اس میں شامل ہوں گی۔

فراق گورکھپوری

ہندی کی مُہلک بیماری کا واحد علاج

اس موضوع پر پہلے بھی فراقؔ صاحب کئی معرکۃ الآرا مضامین انگریزی اخبارات کے لئے سپردِ قلم کر چکے ہیں جن کا ترجمہ "ہماری زبان" میں وقتاً فوقتاً پیش کیا جاتا رہا ہے۔ چونکہ یہ مضمون بھی اپنی افادیت کے اعتبار سے ہندی پریمیوں اور اُردو دوستوں کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں اس لئے قارئین "ہماری زبان" کی ضیافتِ طبع کے لئے اس کا ترجمہ بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ "ادارہ"

ایک ایسے خطرے پر یقین کر لینا جو موجود نہ ہو، بذاتِ خود ایک بڑا خطرہ ہے لیکن ایک ایسے خطرے کو خطرہ نہ سمجھنا جو سامنے موجود ہو اُس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ہندی کے پریمیوں کو زیادہ بہتر طور پر اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے تھا مگر وہ اسی دوہرے خطرے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اردو ہندی کے لئے کوئی خطرہ نہ تھی مگر ہندی کے لئے اُس کو سب سے بڑا خطرہ سمجھ کر وہ اردو سے نفرت اور خوف محسوس کرنے لگے۔ اسی طرح انگریزی کو بھی ہندی کے لئے ایک مہلک خطرہ جان کر اُس پر چاروں طرف سے لعنت و ملامت کی جانے لگی بحالیکہ ہندی ادب کی تہذیبی تربیت میں انگریزی بڑی حد تک مدد و معاون ہو سکتی تھی۔

ہندی کے پریمیوں کے کان تھے مگر انھوں نے سننا نہیں چاہا۔ آنکھیں تھیں مگر انھوں نے دیکھنا نہیں چاہا۔ واضح حقائق سے پہلو تہی کی گئی اور یہ نہیں دیکھا کہ ہندی، اُردو، اور ہندوستان کی ہر زبان قریب قریب گذشتہ ایک صدی میں اپنی اعلیٰ ترقیوں اور کارآمد تخلیقات کے اعتبار سے انگریزی داں ہندوستانیوں کی مرہونِ منت ہے۔ بنگالی ادب کی عظیم شخصیتیں، اُردو اور ہندی ادب کے ممتاز صاحبِ قلم، مرہٹی اور گجراتی ادب کے نمایاں فنکار اور جنوبی ہند کی زبانوں کے ادب کے قوی ہیکل ادیب جیسے بنکم اور ٹیگور، تلک اور گاندھی جی، اقبال اور پریم چند کی عقل و ذہانت کمزور اور ناقص نہیں تھی بلکہ انگریزی میں اچھی طرح تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی وجہ سے ہی ان کے جوہر چمکے اور ان کے قلم میں زور پیدا ہوا۔ اسی طرح مسٹر راج گوپال اچاریہ، بال مکند گپتا، پنڈت مدن موہن مالویہ، سوامی شردھانند، اچاریہ نریندر دیو، عظیم بیگ چغتائی، گنیش شنکر ودیارتھی، لالہ سیتا رام، رام چندر شکلا، مہاویر دویدی، دیوی پرشاد پورنا، دیوکی نندن کھتری، بھارتیندو ہریش چندر اور ہندی ادب کے ایسے ہی بہت سے دوسرے رتن بہترین اور عمدہ

ہندی صرف اس لئے لکھتے تھے کیونکہ وہ حسین اور اچھی اُردو بھی لکھ سکتے تھے۔ ان کی حسین اور دلکش ہندی سے جب ہم میتھلی شرن گپت، پرشاد، پنت، نرالا، مہادیوی ورما اور اسی قسم کے دوسرے ہندی ادیبوں کی زبان کا مقابلہ کرتے ہیں جو بہت کم اُردو اور اس سے بھی کم ہندی جانتے ہیں تو ان کی زبان دیہاتی، غیر مہذب اور بھدے طور پر استعمال کئے گئے سنسکرت لفظوں کا ایک عجیب اور ناقابلِ برداشت نمونہ نظر آتی ہے جو ہندی اور سنسکرت دونوں کے لئے ننگ و عار کا باعث ہے۔

لیکن ہندی کے ان کوتاہ بین جنونیوں نے ہندی ادب کو ایک خطرناک غلط راستے پر ڈال دیا اور اُردو اور انگریزی کی معقول تعلیم حاصل کر کے پیدا ہونے والے ادیبوں کے لئے شہرت اور نام آوری کے جو زرّیں مواقع تھے ان سب کو ایک ہی اشارے سے فنا کے گھاٹ اُتار دیا اور اس طرح ایک تہائی سے زیادہ ہندوستانی آبادی کو ثقافتی جمود اور تہذیبی تعطل کے غار میں دھکیل دیا۔ جس ادب کو نئے ہندوستان کی نشاۃِ ثانیہ کا سبب بننا چاہئے تھا وہ سوقیت و ابتذال، بد تہذیبی اور گنوارپن کی پستی میں جا پڑا۔ ہندی پڑھنے اور لکھنے والے ایک ایسی خود ساختہ دنیا میں رہنے لگے جس کا وجود کہیں نہیں پایا جاتا۔

اُردو نظم و نثر عربی اور فارسی عناصر کی معمولی سی آمیزش اور ہندی مسلم علاقے کے تہذیبی میلان کی وجہ سے مغربی یو۔پی۔ کی کھڑی بولی کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اصلاح شدہ اور کارآمد شکلیں ہیں۔ مسلم میلان و رجحان کا حصہ اُردو کا صرف ایک جزو ہے نہ کہ اُردو کا پورا جسم۔ اُردو کے بہت سے ماہرینِ فن کے کارنامے اس میلان اور رجحان سے تقریباً مبرّا ہیں اور ہندو مزاج و روایات کے قیمتی اجزا کے ساتھ ساتھ سنسکرت الفاظ کے موزوں استعمال سے بھرپور ہیں۔

دیوناگری رسم خط میں اُردو اول درجہ کی ہندی بن سکتی ہے لیکن یہ کام پنڈت مدن موہن مالویہ اور پدم سنگھ شرما جیسے اُردو و ہندی جاننے والے ممتاز اہلِ قلم کی باہمی کوششوں سے ہی بڑے پیمانے پر انجام پا سکتا ہے۔ جہالت اور انتہا پسندی نے ہندی کے ان سچے بہی خواہوں کے کارناموں اور مقصودات کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔ ہندی کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے ایک لازمی اور ضروری شرط ہمارے نصابِ تعلیم میں ایک زبردست ردّ و بدل کی ہے۔ ہندی کے نصاب میں پچاس فی صدی اُردو نظم و نثر کے اقتباسات کا حصہ دیوناگری رسم الخط میں مختلف عمر کی جماعتوں کی ضرورت، مزاج اور صلاحیت کے مطابق ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ درجوں تک شامل کیا جائے۔ اس کی ضرورت اس لئے محسوس کرتا ہوں کہ اُردو زبان و ادب میں ہندی کے تمام الفاظ کا ذخیرہ صرف شامل ہی نہیں بلکہ موزوں اور

کامیاب طور پر استعمال بھی کیا گیا ہے۔ اُردو کے ادیب خالص ہندی کے لفظوں، فقروں، محاوروں اور روزمرہ کو نام نہاد ہندی کے ادیبوں کے مقابلے میں بیس گنا زیادہ کامیابی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ ہندی کے نصاب سے اُردو کو خارج کر دینے سے صحیح معنی میں ہندی ہندی نہیں رہی۔ ہندی ادیبوں کے ذہن میں اکثر یہ خیال رہتا ہے کہ اُردو ابھی طرح سیکھی نہیں جا سکتی۔

میر، سودا، درد، مصحفی، انشا، ناسخ، آتش، نظیر اکبر آبادی، غالب، ذوق، انیس، دبیر اور ابتدائی دور سے آج تک کے اُردو شاعروں اور قابل نثر نگاروں کی استعمال کی ہوئی ہندی اور کھڑی بولی سے لاکھوں ہندی طلبہ کو اگر محروم رکھا گیا تو کبھی بھی کھڑی بولی میں وہ مہارت حاصل نہ کر سکیں گے۔ اُردو کے ان ماہرین کے کارناموں میں کھڑی بولی کا جو مہذب اور حسین روپ رنگ پایا جاتا ہے وہ اعلیٰ کمال اور جمال کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہندی کے یہ لاکھوں ودھیارتھی جن میں سے بہت سے آگے چل کر ہندی کے ادیب بھی بن کر نکلیں گے اگر پنت، پرشاد، نرالا، مہادیوی اور اسی طرح کے اُردو نہ جاننے والے ہندی ادیبوں سے کھڑی بولی سیکھنے پر مجبور کئے گئے (جیسا کہ بدقسمتی سے ہو رہا ہے) تو اس کا نتیجہ صرف دیہاتیت، گنوارپن، اور علم و تہذیب کے فقدان کی شکل میں نکلے گا۔

میں ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ کہتا ہوں کہ جب ہندی کی وہ نظم و نثر جو مہاویر پرشاد، دویدی، میتھلی شرن گپت اور اُن کے جانشینوں کی تصانیف میں پائی جاتی ہے ہندی کے طالب علموں پر زبردستی ٹھونسی جاتی ہیں تو وہ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ ہندی کا ہر طالب علم دیوناگری میں لکھی ہوئی اُردو سے زیادہ محبت کرتا ہے وہ اُس دن کے لئے پچھتاتے ہیں جس روز اُن کو اُردو سے محروم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کھڑی بولی ہندی ہی ساری دُنیا میں صرف ایسی زبان ہے جو لاکھوں طلبہ کے نصاب میں رکھی جاتی ہے اور ہر طالب علم اس سے دل میں نفرت کرتا ہے۔

شعبۂ تعلیم کے علاوہ اُردو سے نفرت اور غفلت کے تباہ کن نتائج کا احساس دفتروں، سرکاری اور غیر سرکاری اداروں و مدارس کے قواعد و ضوابط اور سرکاری احکام و ہدایتوں کی ناقابل فہم زبان میں راشٹریہ بھاشا کی حیثیت سے ہندی کے غلط استعمال کو دیکھ کر سب کو ہو چلا ہے۔ ہندی کے اس ثقافتی جمود اور ذہنی و دماغی خطرناک مرض کا علاج صرف اُردو کے صحت بخش اثر سے ہی ہو سکتا ہے۔

اس ثقافتی جمود کو دور کرنے کے لئے دوسرا لازمی طریقۂ کار یہ ہونا چاہیے کہ انگریزی کی تعلیم کو ذلت آمیز غفلت کا شکار ہونے سے بچایا جائے۔ ادب سے ادب پیدا ہوتا ہے۔ خود انگریزی اپنے موجودہ ترقی کے معیار پر صرف اپنے بل بوتے پر نہیں پہنچی۔ چوسر کے زمانہ سے آج تک انگریزی کے بنانے اور سنوارنے میں یونانی، لاطینی اور یورپ کی دوسری مقامی بولیوں نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ جب ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ ہندی کا آنے والا ادب صرف ایسے لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے جو ہندی کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتے ہیں اور جن کے علم و ادب کا رشتہ ایسے ادیبوں سے ہے جو خود علم و ادب سے بے بہرہ ہیں تو ہمارے دماغ پر ایک تکلیف دہ اثر ہوتا ہے۔

اُردو اور انگریزی ادب کی اس غیر دانشمندانہ مخالفت نے ہندی کو ہلاکت خیز نقصان پہنچایا ہے۔ اُردو کا گلا گھونٹنے اور انگریزی کو کمزور کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود ہندی بے روح، ویران اور کمزور و ناتواں ہو کر رہ گئی۔ نام نہاد بلند پایہ ہندی ادیبوں اور شاعروں کی نظم و نثر کی کتابیں یا تو پیدائشی حالت میں ہی یا بچپنے کی موت کا شکار ہو گئیں۔ اُن کی موت پر نہ کوئی آنسو بہاتا ہے، نہ اُن کی قدر و منزلت کے گیت گاتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی اُن پر مرثیہ لکھنا بھی گوارا نہیں کرتا اور جب انھیں کوئی پڑھتا ہے تو اس کا منہ بدمزہ ہو جاتا ہے۔ اُن کی گفتگو اور ادبی تحریریں ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہوئی نظر آتی ہیں اور یہی کہنا پڑتا ہے کہ اب گرے، اب گرے۔ واہ رے راشٹریہ بھاشا تیرے کیا کہنے!

لاکھوں ہندوستانیوں کی زندہ زبان کے قواعد و ضوابط اور مسلمہ معیار کو خیرباد کہہ کر ایک ایسی زبان کو اختیار کر لینے سے جس کا وجود کہیں نہیں پایا جاتا ہندی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اگر کسی اُردو داں شخص سے ایسے مردوں، عورتوں، خاندانوں اور حلقوں کا نام دریافت کیا جائے جو اپنی بات چیت اور بحث و مباحثہ میں معمولی یا اعلیٰ پیمانے پر اچھی اُردو بولتے ہوں تو وہ ہمارے سامنے ایک اچھی خاصی فہرست پیش کر دے گا۔ اس کے مقابلے میں ہندی کے کسی ایسے ہی پریمی سے اسی قسم کی ایک فہرست کا مطالبہ کیا جائے تو وہ بغلیں جھانکنے اور سر کھجانے لگے گا۔ ہندی کو زندہ کرنے کی سو سالہ تحریک اور بڑے بڑے ساہوکاروں، زبردست ذریعوں اور اداروں کے مسلسل تعاون اور امداد کے بعد بھی ہندی کا ابھی یہ عالم ہے۔

میں آخر میں پھر دہراتا ہوں کہ ہندی کے علاقہ سے ثقافتی جمود کو دور کرنے کا واحد علاج یہی ہے کہ کسی طالب علم کو ہائی اسکول کا سرٹیفکٹ یا کالج کی ڈگری اس وقت تک نہ دی جائے جب تک وہ اُردو یا انگریزی کا کوئی معقول امتحان پاس نہ کر لے۔ لاکھوں ہندی پڑھنے والوں میں سے کم از کم ۱۰ فی صدی پر اس طریقۂ کار کو آزمانا چاہیئے۔ ہندی کی تعلیم کے ساتھ اُردو کی معلومات سے ہماری آنے والی نسلوں کو کھڑی بولی پر عبور حاصل ہوگا اور انگریزی کی معقول تعلیم سے وہ جدید معلومات اور خیالات سے واقف ہوں گے۔ اگر ایسا کیا گیا تو ایک صدی کے اندر اندر ہندی اپنی اصلی حالت پر آ جائے گی اور یہ ثقافتی جمود دور ہو جائے گا۔

بقیہ: اُردو کے کچھ قدیم اخبار و رسائل

جون کی طرح۔ "یہ زمیں آسمان ہے گویا"

اس میں اقبال کا ایک شعر، جو رسالہ میں شامل ہوا ہے وہ میں پہلے پیش کر چکا ہوں۔ دیگر حضرات شعرا کا انتخاب کلام اب پیش کر رہا ہوں۔

ممتاز علی آہ اٹھوی۔

حضرتِ غم ہیں جم گئے دل میں — آپ ہی کا مکان ہے گویا
جان دیتا ہے حور و غلماں پر — شیخ اب بھی جوان ہے گویا

جلیل مانک پوری۔

چُپ رہوں میں تو سب کھٹکتے ہیں — بے زبانی زبان ہے گویا
اس سخن کا جلیل کیا کہنا — مصحفی کی زبان ہے گویا

شبیر چھلی شہری۔

پردہ، عصمت کی شان ہے گویا — حُسن کی شرم جان ہے گویا

صفدر مرزا پوری۔

گردشِ چشمِ ساقیِ بدمست — گردشِ آسمان ہے گویا

ظہیر دہلوی۔

دلی، اُردو کی کان ہے گویا — کان کیسی جہان ہے گویا
نیم اُردو ہے نیم انگریزی — یہ عبارت کی شان ہے گویا
بھید لیتا ہے دل کے یوں ناصح — اک بڑا مہربان ہے گویا
ہے یہ دلی کی بول چال ظہیر — میر کی یہ زبان ہے گویا

اگست کے مصرع طرح میں کچھ اچھے شعر۔ سے

موج رام پوری۔

میرا افسانہ ہے عالم سے جُدا — میری آشفتہ بیانی اور ہے
آپ میرا حال سُن سکتے نہیں — یہ فسانہ یہ کہانی اور ہے

اعجاز جبل پوری۔

یوں تو کہنے کے لئے شربت ہیں لاکھ — شیخ صاحب سُرخ پانی اور ہے

حسن مراد آبادی۔

اشک پی جاتا ہے شربت سے سوا — لذتِ دردِ نہانی اور ہے

قیصر رام پوری۔

رُک ذرا عمرِ رواں اول بن برے — حسرتِ دنیائے فانی اور ہے

مظہر تھانوی۔

پرسلیقہ چرخِ کج رو میں کہاں — اس ستم کا کوئی بانی اور ہے

وجاہت جھنجھانوی۔

نقدِ جاں تک لوٹ لیتے ہیں حسیں — عشق میں چنگیز خانی اور ہے
شیخ جی کے واسطے پیرِ مغاں — لا جو تھوڑی سی پرانی اور ہے

ستمبر کی طرح "ہندوستا — کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا"

اس کا انتخاب پیش ۔۔ ے چکا ہوں جس میں علامہ اقبال کے اشعار بھی شا ۔ ل ہیں۔

اکتوبر کی طرح "جسم ہے ملک جان ہیں دونوں"

اس زمین میں مجھے صرف تین شاعروں کے شعر پسند آئے وہ پیش کر رہا ہوں۔

ظہیر دہلوی۔

تم ہی اور حضرتِ ناصح — ایک قالب ہے جان ہیں دونوں

ہوش رام پوری۔

میکدے کو چلو بھی اے واعظ — ابھی ہم تم جوان ہیں دونوں

گل حیدر آبادی۔

دل میں ہے آپ یہ مری آنکھوں میں — آپ ہی کے مکان ہیں دونوں

نومبر کا مصرع طرح "دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل" جو بہادر شاہ ظفر کی غزل کا مصرعہ ہے۔ بہادر شاہ ظفر کی غزل بھی اس ماہ کے اصلاح سخن میں شامل کی گئی ہے۔

انجم نیشا پوری۔

اے شمعِ بزمِ ناز یہ چھپنا کہاں تک اب
آنکھوں کی راہ نور کے سانچوں میں ڈھل کے چل
پیری میں آ خراج گرا دخترِ رز پہ شیخ
سو مرتبہ عصا نے کہا تھا سنبھل کے چل

بے خود رام پوری۔

میں جادۂ طلب میں بہکتا ہوں جس گھڑی
کہتا ہے دل کہ قول پہ عہدِ ازل کے چل
تحریکِ عقل ہے کہ زمانہ سے صلح کر
کہتا ہے نفس راہ میں جنگ و جدل کے چل

حفیظ جون پوری۔

گرتا ہو مُنھ کے بل تو زمیں پر اُچھل کے چل
رستے میں ٹھوکریں بھی ہیں غافل سنبھل کے چل
دوزخ میں جا پڑے گا ذرا جو قدم ڈگے
یہ میکدے کی راہ ہے زاہد سنبھل کے چل
رُسوائیاں دھری ہیں محبت کی راہ میں
کھونا ہے آبرو تو ادھر سے نکل کے چل

بہادر شاہ ظفر

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل
دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل
کیا چل سکے گا ہم سے کہ پہچانتے ہیں ہم
تو لاکھ اپنی چال کو ظالم بدل کے چل

(باقی)

"نیرنگ خیال" بدستور جاری

۱۵ جنوری کے "ہماری زبان" میں بشیر علی صاحب صدیقی نے اپنے مقالے "اُردو کے دو رسالے" میں "نیرنگ خیال" کا عرصے سے بند ہونا بتایا ہے، حالانکہ "نیرنگ خیال" اب بھی نکل رہا ہے۔ اُس کے مدیر حکیم محمد یوسف صاحب راولپنڈی میں طبیب ہیں۔ وہی "نیرنگ خیال" کے مضامین مرتب کرتے ہیں۔ رسالہ بدستور لاہور سے نکل رہا ہے اور کچھ دنوں سے دو ماہی کر دیا گیا ہے۔ میرے پاس نیرنگ خیال، عالمگیر اور ادبی دنیا کے فائل ہیں۔ ان رسالوں میں شایع ہونے والے مضامین کو جلد منظر عام پر لانے کا ارادہ ہے۔ (قادر جبل پوری)

انجمن ترقی اُردو شاخ گیا

مکرمی تسلیم

انجمن ترقی اُردو شاخ گیا نے اُردو طالبات کی ثانوی تعلیم کی اشد ضرورت کے پیش نظر شہر گیا میں ایک "انجمن ترقی اُردو گرلس ہائی اسکول" کھولنے کی مہم چلائی تھی۔ اس سلسلے میں اسکول کی انتظامیہ کمیٹی کی ایک اہم میٹنگ میں کلام حیدری صاحب سابق لکچرر شعبۂ اُردو پورنیہ کالج نے شرکاء کو اس بات سے آگاہ کیا کہ انجمن کی نوعیت ایک فرقہ وارانہ ادارے کی ہے جس پر وقتاً فوقتاً حکومت کے عتابات نازل ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے انجمن ترقی اُردو کے زیر نگرانی قائم کئے جانے والے گرلس اسکول کو کسی نہ کسی وقت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس اہم موضوع پر اپنے خیال سے جلد مطلع کریں۔ مناسب ہوگا اگر اپنا خیال اس خط کے ساتھ اخبار "ہماری زبان" میں شایع کر دیں تاکہ یہ غلط فہمی دور ہو جائے اور انجمن پر آئندہ اس قسم کے مہمل اعتراضات کا موقع نہ آئے۔

والسلام۔ (شاہ مسیح الزماں فردوسی)

نوٹ:

انجمن پر یہ اعتراض کہ وہ ایک فرقہ وارانہ ادارہ ہے بالکل غلط ہے۔ معترض کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انجمن کی مجلس عام میں ہر مذہب اور سیاسی خیال کے لوگ موجود ہیں۔ انجمن ایک قومی ادارہ ہے جسے حکومت اور عوام دونوں کا اعتماد حاصل ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انجمن پر وقتاً فوقتاً حکومت کا عتاب نازل ہوتا رہتا ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ ریاست بہار کے کسی نا سمجھ یا کوتاہ بیں افسر نے کبھی کوئی اعتراض کیا ہو جس کی کوئی وقعت نہیں۔ ایسے غلط اعتراضات پر دھیان نہ دینا چاہئے اور اپنے کام میں مصروف رہنا چاہئے۔ (ادارہ)

جامعہ نگر اور حضرت نظام الدین میں شاخ کا قیام

دلی کی ریاستی شاخ دہلی کے مختلف علاقوں میں مقامی شاخیں قائم کر رہی ہے۔ اسی سلسلے میں ریاستی شاخ دہلی کی جنرل سکریٹری محترمہ حمیدہ سلطان صاحبہ اور بہار برنی صاحب ۱۱ جنوری ۱۹۶۴ء کو جامعہ نگر تشریف لائے اور جناب شیو پرشاد سنہا صاحب کی صدارت میں اس علاقے کے اراکین انجمن کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مقامی شاخ کا قیام عمل میں آیا اور حسب ذیل انتخابات عمل میں آئے۔

صدر مقامی شاخ: جناب شیو پرشاد سنہا صاحب ایڈوکیٹ۔

نائب صدر: (۱) جناب سعید انصاری (۲) جناب ضیاء الحسن فاروقی۔

جنرل سکریٹری: عبد اللطیف اعظمی (مدیر ماہنامہ جامعہ)۔

جوائنٹ سکریٹری: (۱) جناب کیلاش آہیر (۲) مجیب احمد خاں صاحب۔

خازن: جناب خوشتر گرامی (مدیر ماہنامہ بیسویں صدی)

اراکین مجلس عاملہ: (۱) علامہ اخلاق احمد صاحب دہلوی، (۲) جناب پیر ضامن نظامی صاحب، (۳) جناب ظفر پیامی صاحب، (۴) جناب رام کرشن مضطر، (۵) جناب حسن ثانی نظامی صاحب، (۶) سید شوکت حسین صاحب (ایڈوکیٹ)، (۷) عبد اللہ ولی بخش قادری صاحب، (۸) عبد الحق خاں صاحب، (۹) محمد ادریس صاحب، (۱۰) برکت علی فراق صاحب، (۱۱) رادھے شام پاٹھک، (۱۲) سید مظہر الحسن صاحب مظہر۔

انتخابات کے بعد شاخوں کی ذمہ داریوں اور ان کے فرائض پر گفتگو ہوئی۔ صدر جلسہ جناب شیو پرشاد سنہا صاحب نے فرمایا کہ میں عمل کا قائل ہوں۔ اگر آپ نے مجھے صدر بنایا ہے تو کچھ کام بھی ہونا چاہئے۔ اگر آپ لوگوں نے عضو معطل سمجھ کر مجھے صدر منتخب کیا ہے، تو میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں، لیکن اگر آپ لوگ کچھ کام کرنا چاہتے ہیں، تو میں ہر قسم کی مدد کے لئے تیار ہوں۔ جناب سعید انصاری صاحب نے فرمایا کہ رسالے نکالنا اور جلسے اور مشاعرے کرنا مفید ضرور ہیں، اور یہ کام بھی ہوتے رہیں، مگر بنیادی کام یہ ہے کہ نئی نسل اُردو سے بالکل ناواقف ہے۔ ان کی تعلیم کا انتظام کرنا ضروری اور دوسرے تمام کاموں پر مقدم ہے۔ اس طرف فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آخر میں عبد اللطیف اعظمی نے صدر جلسہ اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا، خاص طور پر ریاستی شاخ کی جنرل سکریٹری کا، انھوں نے دلی کے جنوبی علاقے کی شاخ قائم کرکے اس علاقے کے اراکین انجمن کو اُردو کی خدمت کا بہتر موقع عنایت فرمایا۔ (نامہ نگار)

ضروری اعلان
براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ — منیجر

اُردو اتحاد کی نشانی ہے

(بحوالہ ہندوستان ٹائمز) متحدہ قوم پرست مسلم ایسوسی ایشن نائل ناڈ اُردو مجلس اور ترچی بیڑی سگرٹ ورکرس یونین کے مشترکہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے فرمایا کہ اُردو ہندو مسلم اتحاد کی نشانی ہے۔ آپ نے کہا کہ ایک طرف ہندو پنڈتوں نے سنسکرت الفاظ استعمال کئے اور دوسری طرف مولویوں نے عربی الفاظ بولے اس طرح باہمی میل و ملاپ سے یہ زبان بنی اور ترقی کرتی رہی۔

اُنھوں نے فرمایا کہ ملک میں جمہوریت کی نشوونما میں مدد دینے کے لئے مسلمانوں پر مزید ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ اپنے بچوں کی تعلیم میں فیاضانہ حصہ لے کر مسلمانوں کو ملک سے محبت کرنا اور اُس کی بھلائی کے لئے محنت کرنا چاہئے۔

ترچی میں مسلم مستورات کی انجمن سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ تعلیم یافتہ مسلم خواتین کو دفتروں میں ملازمت کے لئے مردوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے کم تعلیم یافتہ اور بے سہارا خواتین کی مدد کرنا چاہئے۔

اقبال کرشن

فرقہ وارانہ فساد اور لسانی ہم آہنگی

فرقہ وارانہ فساد کسی بھی ملک کے لئے ایک لعنت ہے اور ہماری گردن شرم سے خم ہے کہ لعنت کا یہ طوق ہماری گردن میں بھی پھنسا ہوا ہے۔ ہندوستان میں مختلف فرقوں کی بھرمار ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں، ہرگز نہیں کہ ہم مختلف ذہنیت والے آپس میں کتوں کی طرح لڑتے رہیں۔

فرقہ وارانہ فساد کے دامن میں جہاں اور بھی بہت سی برکتیں ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ لسانی ہم آہنگی کی جڑیں مضروب ہو جاتی ہیں۔ اتفاق سے ہندوستان کے مختلف فرقے مختلف زبانوں کی نمائندگی کرتے ہیں اس لئے جب فرقہ وارانہ فساد برپا ہوتا ہے تو لسانی کشیدگی کی وبا پھوٹ پڑتی ہے۔ ہم ٹیگور کے اردو مترجمین ہیں، فرزندانِ ٹیگور نے ہمیں لوٹ لیا۔ ہمارے شیلف میں رکھی ہوئی کلیاتِ ٹیگور کی تمام جلدیں نذرِ آتش ہو گئیں۔ بنکم کی تمام ناولیں راکھ میں تبدیل ہو گئیں۔ ٹیگور کی مختلف تخلیقات کے اردو تراجم کے کتنے سارے مسودے خاکستر ہو گئے۔ ٹیگور کی عقیدت سے لبریز کتنے دھڑکتے دل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔

ہم اقبال کے بنگلہ مترجمین تھے۔ فرزندانِ اقبال نے ہمارا گھربار لوٹ لیا۔ ہم غالب کے ثناخواں تھے۔ غالب کے ہم مذہبوں نے ہمیں زندہ جلا دیا۔

یہ تھیں دو تصویریں۔ اضافہ اور بھی کرتے چلے جائیے۔ ہندوستان کے تمام صوبے فرقہ پرستی کی آگ میں جلنے لگیں گے۔ اگر آپ اس آگ کو بجھانا چاہتے ہیں تو دامن سے نہ ڈھانپیں۔

بھائی چارہ اور اخوت کا درس دیں۔ مذہبی منافرت کو اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے فروغ نہ دیں۔ لسانی مسائل کو فوراً سے پیشتر حل کریں۔ کسی فرقے کے جذبات کو مجروح نہ ہونے دیں۔ ہندوستان کے باسیوں میں دوستی اتنی گہری اور پائیدار ہو کہ کوئی فرزندِ ٹیگور کسی فرزندِ اقبال پر گزند اسا نہ اٹھا سکے۔ کوئی فرزندِ اقبال کسی فرزندِ ٹیگور کی جان کا خواہاں نہ ہو جائے۔

پاک کیجئے ہندوستان کو — فرقہ پرستی سے، مذہبی منافرت سے، لسانی عصبیت سے، قتل و غارت گری کے جنون سے — اور کرائیے یاد تازہ مہاراجہ اشوک کی، شہنشاہ اکبر کی!

مراٹھی بمبئی کی سرکاری زبان

بمبئی کے میونسپل کارپوریشن نے مراٹھی کو سرکاری زبان قرار دیا ہے۔ کارپوریشن کی قرارداد میں کہا گیا ہے کہ مراٹھی نہ جاننے والے کارپوریشن کے ملازمین انگریزی استعمال کر سکتے ہیں، اور کارپوریشن کے جلسوں میں گجراتی، ہندی اور اردو کے استعمال کا حق بھی بدستور رہے گا۔

انجمن ترقی اردو کا صدر — جبلپور کارپوریشن کا میئر

جبلپور: انجمن ترقی اردو کے صدر جناب پنا لال صاحب سریواستو ایڈووکیٹ جبلپور کارپوریشن کے ۱۹۶۴ء کے لئے میئر منتخب کر لئے گئے۔ آپ کو ادب سے گہری دلچسپی ہے اور خاص کر اردو ادب سے۔ آپ اردو کے ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ انھیں خصوصیات کی بنا پر آپ گذشتہ کئی سال سے انجمن کی صدارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ہم کو قوی امید ہے کہ کارپوریشن کے تحت چلنے والے اردو اداروں کو آپ کی ذات سے فیض پہنچے گا۔ ہم کارکنان انجمن ترقی اردو ان کو اس اعزاز پر انجمن کی جانب سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ (سکریٹری)

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی گشتی

اگلا اسکولی سال جون ۱۹۶۴ء سے شروع ہو رہا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اردو ذریعہ تعلیم کے درجے اسی تاریخ سے کام کرنے لگیں تو اس کام کے لئے ابھی سے کوششیں شروع کر دینا چاہئیں۔ لہٰذا اردو کے ان بہی خواہوں سے جو آندھرا پردیش کے مختلف ضلعوں میں اس میدان میں کام کر رہے ہیں خصوصیت سے انجمن ترقی اردو کی مقامی شاخوں کے کارکنوں سے درخواست ہے کہ ازراہِ کرم مزید تاخیر کئے بغیر یا تو نئی درخواستیں پیش کر دیں یا پیش کردہ پچھلی درخواستوں کی تجدید کرا دیں۔

(حبیب الرحمٰن، سکریٹری انجمن ترقی اردو حیدرآباد)

سائن بورڈوں پر اردو

جناب [illegible]

انجمن ترقی اردو کی نمائندگی پر حکومت نے سرکاری دفاتر اور مدارس کے سائن بورڈوں پر دوسری زبانوں کے ساتھ اردو تحریر کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت نے ہدایات جاری کر دی ہیں۔

براہ کرم اپنے یہاں اس حکم کی موثر عمل آوری کیلئے کوشش فرمائیے اور جن دفاتر اور مدارس کے بورڈوں پر اردو لکھی ہوئی نہ ہو ان کے ناموں کی اطلاع دیجئے تاکہ انھیں متوجہ کیا جا سکے۔ (حبیب الرحمٰن معتمد اعزازی)

وارث کرمانی کو مبارکباد

دانشوروں کے مرکز [illegible] حضرت گنج کے جلسۂ خصوصی میں لکھنؤ کے ادیبوں، شاعروں، مصوروں اور صحافیوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے استاد اور مشہور شاعر وارث کرمانی کو ان کے پہلے مجموعۂ کلام "[illegible]" کی اشاعت پر مبارکباد پیش کی۔ جلسے کی صدارت پنڈت آنند نرائن ملا نے فرمائی۔ انھوں نے جلسے کے اختتام پر وارث کرمانی کی شاعری اور عہد جدید کے نئے ادبی رجحانات پر ایک مفصل تقریر بھی کی۔

تعارف "نوائے سیفیہ"

سیفیہ ڈگری کالج بھوپال کے طلبہ نے "نوائے سیفیہ" کے نام سے ایک اُردو ماہنامہ کا اجرا کیا ہے۔ اس کا دوسرا شمارہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ رسالے کی اٹھان امید افزا ہے توقع ہے کہ اپنی عمر کے ساتھ ساتھ یہ مجلہ صوری اور معنوی خوبیوں کے اعتبار سے بتدریج ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے گا۔

تعلیمی اداروں سے نکلنے والے رسائل کو طلبہ میں نظم و ضبط کا احساس، علم و ادب سے شوق و دلچسپی اور ملک و قوم سے محبت و ہمدردی کے جذبات پیدا کرنے کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ زیر تعارف رسالے میں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ آئندہ بھی خصوصیت سے اس کا خیال رکھا جائیگا۔ (ادارہ)

فنون لطیفہ سے بے ذوقی

(بحوالہ انڈین ایکسپریس) عوام میں فنون لطیفہ سے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے سارے سال تو کچھ کیا نہیں جاتا مگر کبھی کبھار سال میں ایک آدھ مرتبہ سامعین کی حیثیت سے کسی ایسے فن کی پسندیدگی کے لئے اُن کو بلا لیا جاتا ہے جس کے لئے سب سے زیادہ معلوماتی اور حساس دل و دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح کا ایک موقع یوم جمہوریت کی تقریب میں کوی سمیلن کے انعقاد کا بھی ہے۔ بالعموم ہزاروں لوگ اس تقریب میں شریک ہوتے ہیں۔ عوام کی پسندیدگی کے مطابق بہت ہی معمولی اور گھٹیا قسم کے اشعار یہاں سُنائے جاتے ہیں، مثال کے طور پر اس سال کے کوی سمیلن میں کسی نئی ترکیب اور جدید تشبیہ اور استعارے کے استعمال پر کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا گیا۔ جس شاعر نے بھی نئی زمین نئے قافیوں میں کچھ جدت دکھانی چاہی اُس کے اشعار لوگوں نے سُننا بھی گوارا نہیں کئے۔

بدایوں میں شکیل روڈ

بدایوں میونسپلٹی نے مشہور شاعر جناب شکیل بدایونی کی علمی اور ادبی اور فلمی مقبولیت کے اعتراف میں بدایوں کی ایک سڑک کا نام شکیل روڈ رکھا ہے۔ یہ سڑک شکیل صاحب کے گھر سے گذرتی ہے۔

اس مبارک اقدام پر میونسپلٹی کے صدر جناب شبیر حسن خاں صاحب اور جملہ اراکین میونسپل بورڈ قابل مبارکباد ہیں۔ اس ریزولیشن کو بزم فانی کے صدر جناب عابد سعید خاں صاحب فنا لودی نے پیش کیا تھا۔

ہندی کے خلاف احتجاج میں جان کی قربانی

(بحوالہ انڈین ایکسپریس) اطلاع ملی ہے کہ ڈی، ایم، کے جماعت کے ایک رکن چنا سوامی نے ہندی زبان کو جنوبی ہند پر زبردستی عاید کرنے کے خلاف احتجاج کے طور پر ترچنا پلی ریلوے جنکشن کے سامنے اپنے کپڑوں میں آگ لگا کر جان دے دی۔

پولیس کا بیان ہے کہ ۲۷ سالہ چنا سوامی نے دو گیلن پٹرول خریدا تھا اور وہ اسٹیشن کے قریب بیٹھا تھا، ۴ بجے صبح اس نے اپنے کپڑوں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا لی ہسپتال میں جا کر اس کا انتقال ہو گیا۔

اُس کے تھیلے سے دو خط نکلے ہیں ایک پولیس کے نام اور دوسرا اُس کی بیوی کے نام ہے۔ پولیس کے نام خط میں لکھا ہے کہ ہندی کو زبردستی دکن پر عائد کرنے کے خلاف احتجاجاً میں آگ میں جل کر اپنی جان دے رہا ہوں۔

امریکیوں نے بھجن گائے، اور روسیوں نے غزلیں پڑھیں

(ہندوستان ٹائمز کے نامہ نگار کے حوالے سے) سپرو ہاؤس میں شہری کونسل کے زیر اہتمام بین الاقوامی ثقافتی شام کی تقریب میں ایک امریکی جوڑے نے بھجن گائے اور روسی لڑکیوں نے اُردو کی غزلیں پڑھ کر سُنائیں۔

برطانی، انڈونیشی، جاپانی اور یو، اے، آر کے طائفوں نے اپنے ملک کے ثقافتی پروگرام پیش کئے۔ ریاستوں کے طائفوں نے بھی جو یوم جمہوریت میں شرکت کے لئے آئے تھے اس میں حصہ لیا۔ نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے پروگرام کا افتتاح کیا اور چیف کمشنر دھرم ویر نے انعامات تقسیم کئے۔

مالک انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا